تربیت انتظامیہ کا نبوی منہج

PROPHETIC METHOD OF MANAGEMENT TRAINING

محمد اظہر عباسی * / پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا **

Abstract:
A state is a form of human association distinguished from other social groups by its purpose. It has a primary role in the development of collective life. Islam as a religion of society has its own political system. The Prophet of Islam established the model state according to political guidelines laid down by Quran. He trained and prepare many companions for scientific, missionary, political, economic, social and administrative matters. One of the salient aspects of the training of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) is personality building. With this in mind, He not only nurtured and expressed these virtues but also entrusted them with responsibilities in the field of their own virtues so that these virtues could be utilized to the fullest extent possible. This article focused on the managerial guidelines given by the prophet particularly their relevance to modern affairs of state.

Keywords: Islamic State, Prophetic Method of Training, Administrative Training, Managerial guidelines of Islam, Islam and Human Resource Management

اجتماعی زندگی کی بقاو تہذیب اور نشو نما اور ارتقاء کے لئے جو ادارے قائم کیے گئے ہیں ان میں ریاست کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی ادارے کو چلانے کے لیے ادارتی تقاضوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نظم و نسق کو کنٹرول کرنے کے لیے انتظامیہ کا وجود بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی بھی ریاست میں بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ایسے افراد کو چنا جاتا ہے جو نہ صرف معاشرتی زندگی میں استحکام پیدا کرے بلکہ ادارے کو بہترین نظم و نسق کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن کرے۔ ایسے افراد کی تربیت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے کسی بھی ادارے میں استحکام میں معاونت ملتی ہے اور انتظامیہ کی تربیت کے لیے بہترین اسباق موجود ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنے اداروں میں موجود افراد کی تربیت کر سکتے ہیں۔

---

* پی ایچ ڈی سکالر، منہاج یونیورسٹی لاہور

** ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ، منہاج یونیورسٹی لاہور

وحید الزمان نے القاموس الجدید میں انتظامیہ کا لغوی معنیٰ "ادارہ" کے بیان کیے ہیں [1] جبکہ فیروز الدین نے انتظامیہ کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے: "انتظامیہ سے مراد حکومت کا ایک شعبہ جو مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کو ملک میں نافذ کرتا اور ان پر عمل کرواتا ہے۔"[2] "انتظامیہ کے لیے انگلش میں Administration کا لفظ بولا جاتا ہے جس کا مطلب ریاستی نظم و نسق کو چلانے والا ادارہ ہے۔"[3]

اسلام نے ہمیں اجتماعیت کا تصور دیا منتظمین اور ملازمین کو لازم و ملزوم قرار دیا کیونکہ منتظم اداروں کے نظم و نسق کو بہتر انداز میں چلاتے ہیں اور عوام و رعایا کے حقوق کا بھی خیال رکھتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الاسلام والسلطان اخوان توامان لایصلح احدھما الا بصاحبھما فالاسلام والسلطان حارس ومالا اساس له یھدم ومالا حارس له ضائع"[4]

(یعنی اسلام اور سلطان جڑواں بھائی ہیں جو اپنی درستگی کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں اسلام معاشرہ کی بنیاد مہیا کرتا ہے اور سلطان اس کی حفاظت کرتا ہے پس جس شئے کی بنیاد نہ ہو وہ مہندم اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔)

کسی ادارے کے نظم و نسق میں انتظامیہ کو اولین حیثیت حاصل ہوتی ہے اور انتظامیہ کی نگرانی سربراہ ادارہ کرتا ہے۔ منتظمین کے فرائض کی تصریح ہمیں سنت نبوی ﷺ میں ملتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قال قال رسول الله ﷺ اذا اراد الله بالامیر خیرا جعل له وزیرا صدقا ان نسی ذکرہ وان ذکر اعانه واذا اراد الله به غیر ذلک جعل له وزیر اسوی ان نسی لم یذکرہ وان ذکر لم یعنه"[5]

(اللہ تعالیٰ جب کسی امیر کے متعلق خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سچا اور مخلص وزیر دے دیتا ہے اگر امیر اپنا فرض بھول جاتا ہے تو یہ وزیر اس کو یاد دلاتا ہے اور جب اس کو اپنا فرض یاد ہوتا ہے تو اس کی مدد کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس امیر کے متعلق دوسرا ارادہ کرتا ہے اس کو برا وزیر دے دیتا ہے جو نہ اس کو فرض کی یاد دہانی کرواتا ہے اور نہ ہی فرض کی انجام دہی میں اس کی مدد کرتا ہے۔)

انتظام مملکت کے اعتبار سے ہجرت مدینہ کے بعد ہی صحیح اسلامی فلاحی ریاست نے نمو پائی اور اس کی اساس اسلام کا تصور اجتماعیت ہے جو نہ صرف مذہب بلکہ معاشرت، سیاست، امن اور جنگ ہر جگہ کار فرما ہے۔ دور نبوی ﷺ میں انتظامی نظم و نسق کے اہم پہلو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی نے "انتظامی ڈھانچہ، تعلیم و تحقیق کا شعبہ، اشتمال و استعمال اراضی، امداد باہمی" جیسے امور کی نشاندہی کی ہے۔[6]

منتظمین کے لیے حضور ﷺ کے فرامین کا مجموعہ "کتاب الصدقہ" اسلامی تاریخ کے ماتھے پر نایاب جھومر کی طرح چمکتا ہے۔ یہ ان احکامات وروایات کا مجموعہ ہے جو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو املاء کرائے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں وہ احکام تھے جو صوبائی سطح پر ذمہ دار افراد کے لیے لکھوائے گئے تھے اور حضور ﷺ نے یہ کتاب خود تحریر کرائی تھی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ والیان ریاست اس کتاب کو مد نظر رکھ کر کام کریں۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

''ان رسول الله ﷺ کتب کتاب الصدقه فلم یخرجه الی عماله حتی قبض فقرنه بسیفه فلما قبض عمل به ابو بکر حتی قبض و عمر حتی قبض''(7)

(رسول اللہ ﷺ نے ایک کتاب لکھوائی جس میں صدقہ سے متعلق احکام تھے۔ ابھی آپ نے یہ کتاب اپنے عمال (والیان ریاست) کے پاس بھجوائی نہیں کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ کتاب آپ کی تلوار کے ساتھ رہی۔ بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اسی کتاب پر عمل کیا۔)

اس کتاب کے بارے میں ذخیرہ احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس کتاب کا باقاعدہ ترویج ہوئی۔ حضرت ابو بکر نے اس کی کئی کاپیاں لکھوائی اور اپنے عمال کے پاس بھجوائیں۔

انتظامی امور کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کے اندر انتظامی امور سرانجام دینے کا صلاحیت موجود ہو اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ہر شخص کو انتظامی امور طلب کرنے سے منع فرمایا:

''قال رسول الله ﷺ یا ابا ذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی فلا تامرون علیٰ اثنین ولا تولین مال یتیم''(8)

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابوذر میں تمھیں کمزور دیکھتا ہو اور تمھارے لئے وہی پسند کرتا ہو جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم کبھی دو آدمیوں پر امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی ذمہ داری قبول کرنا۔)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامة یوم القیامة''(9)

(یقینا تم لوگ امیر بننے کی حرص کروگے حالانکہ وہ قیامت کے دن پریشانی کا باعث ہوگی۔)

جب کسی کو امارات حاصل ہوتی ہے تو اس کو شروع میں بہت اچھی لگتی ہے لیکن جب اسکا محاسبہ ہوتا ہے تو اسے پتہ چلتاہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے اس لئے حضور ﷺ نے حضرت مقدام بن معدی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا:

"افلحت یا قدیم ان مت ولم تکن امیرا ولا کاتبا ولا عریفا"[10]

(اے قدیم اگر تمھیں ایسی حالت میں موت آئے کہ نہ تم امیر بنے ہو نہ کاتب اور نہ کسی قوم کے نمائندے تو تم کامیاب ہو گے۔)

اولوالامر سے مراد اسلامی معاشرے کے ارباب حل و عقد اور سربراہ کار کے ہیں۔ معاشرے کے حالات کے لحاظ سے اس کے مصداق ارباب علم و بصیرت بھی ہو سکتے ہیں اور ارباب اقتدار و سیاست بھی۔ جو لوگ بھی اس پوزیشن میں ہوں کہ عوام کی سربراہی کر سکیں وہ اس لفظ کے مصداق ہیں۔ اس اعتبار سے انتظامی معاملات میں کسی بھی عہدیدار کے حکم کی پاسداری کرنا یہ ادارے کے ملازمین پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ "(النساء59 :4)

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبان امر ہیں ان کی (اطاعت کرو)۔)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں دہلوی لکھتے ہیں:

"آیت میں اولی الامر سے مراد یا تو والی حاکم، قاضی اور امراء ہیں یا علماء یا فقہا ہیں یا اہل قرآن یا اہل علم ہیں یا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں، یا اہل عقل اور اہل رائے ہیں یہ سب اقوال سلف سے منقول ہیں۔ اگرچہ رائج وہی پہلا قول ہے یعنی اس سے مراد حاکم ہے۔"[11]

کسی ادارے کا سربراہ جب کسی کو ملازمین پر سربراہ بنادے تو پھر معروفات میں اس کے حکم کی اطاعت ملازمین پر لازم ہوتی ہے۔ "اولی الامر" کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں، خواہ وہ ذہنی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں، یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر، یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج، یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار۔ غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے، اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو، اور خدا اور رسول کا مطیع ہو۔ یہ دونوں شرطیں اس اطاعت کے لیے لازمی شرطیں ہیں اور یہ نہ صرف آیت مذکورہ میں صاف طور پر درج ہیں، بلکہ حدیث میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ صحیحین میں ارشاد نبوی ہے:

"السمع والطاعة المرء المسلم فی ما احب و کرہ مالم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة"[12]

(مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اسے نہ کچھ سننا چاہیے نہ ماننا چاہیے۔)

مشورہ کی اہمیت اور مشاورتی فیصلہ پر عملدرآمد کے حوالہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سے ارشادات و واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ باہمی مشاورت مسلمانوں کی ایک نمایاں خصوصیت اور اسلام کے نظامِ اجتماعی کا اہم شعبہ ہے صالح، کامیاب اور پر امن زندگی گزارنے کے لیے مشاورتی نظام اپنانا از حد ضروری ہے، بلاشبہ مشورہ خیر و برکت، عروج و ترقی اور نزولِ رحمت کا ذریعہ ہے، اس میں نقصان و شرمندگی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" (الشوریٰ:38)

(ایمان والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا، نماز قائم کی اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اسے خرچ کرتے ہیں۔)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا شَقِىَ عَبْدٌ بِمَشُوْرَةٍ وَمَا سَعِدَ بِاسْتِغْنَاءِ رَأْيٍ"[13]

(یعنی کوئی انسان مشورہ سے کبھی ناکام اور نامراد نہیں ہوتا اور نہ ہی مشورہ ترک کر کے کبھی کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے۔)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"اِسْتَشِيْرُوْا ذَوِي الْعُقُوْلِ تُرْشَدُوا وَلَا تَعْصُوْهُمْ فَتَنْدَمُوا"[14]

(عقلمندوں سے مشورہ کرو، کامیابی ملے گی اور ان کی مخالفت نہ کرو ورنہ شرمندگی ہو۔)

ادارہ احتساب اسلام کا اہم ستون ہے یہ ادارہ دراصل وہ سنہری زنجیر ہے جس میں مذہب، تمدن، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست کی تمام جزئیات کو شامل ہے یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے احتساب کی تاکید کرتا ہے اس کی نظیر سیرت النبی ﷺ میں ملتی ہے امام مسلم فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضور ﷺ بازار کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہے تھے اور گندم کا ڈھیر سامنے لگا ہوا تھا رسول اللہ ﷺ نے گندم کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو نیچے سے گندم گیلی نکلی آپ نے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے اس نے عرض کی کہ یہ بارش میں بھیگ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا تو آپ نے اس گیلی کو اوپر

کیوں نہیں رکھا عرض کی پھر کون خرید تا آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو جو شخص اس طرح کی ہیری پھیری کرے یا دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"(15)

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت عمر جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس پر چار شرائط لازم کرتے تھے

ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا

باریک کپڑے پہننا

عمدہ کھانا تناول نہ کرنا

اہل حاجت کے لئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا کوئی دربان نہ ہو۔(16)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"اگر حضرت عمر کو پتا چل جاتا کہ کسی عامل نے مریض کی عیادت نہیں کی اور کمزور آدمی اس تک رسائی نہیں پاسکا تو آپ اس کو عہدہ سے الگ کر دیتے۔"(17)

اسلام ملازمین اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ افسران اور ماتحتوں کے درمیان دوریاں اور فاصلے جہاں افراد کے لیے نقصان دہ ہیں، وہیں ہر کمپنی اور ادارے کے لیے بھی تباہ کن ہیں سیرت نبوی ﷺ میں کسی ادارے کے ملازمین اور اس کے ماتحتوں کی حوصلہ افزائی اور تربیت کے حوالے سے واضح ہدایات ملتی ہیں۔

1۔ منتظم کا امین ہونا

رسول اللہ ﷺ مختلف انتظامی امور کی بجا آوری کے لیے ریاست کے افراد میں سے جب کسی کو چنتے تو ایسے شخص کا تعین کرتے جو امین ہوتا نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قال النبی ﷺ لاهل نجران :لابعثن علیکم امینا حق امین فاشرف اصحابه فبعث ابا عبیدة"(18)

(رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا میں تمھارے لئے ایسا حاکم بنا کر بھجوں گا جو امین ہو گا امین ہونے کا حق ادا کرے گا یہ سن کا صحابہ انتظار کرنے لگے پھر رسول اللہ ﷺ نے ابو عبیدہ کو حاکم بنا کر بھجا۔)

2۔ منتظم کا عادل ہونا

منتظمین کے عادل ہونا قرآن مجید اور سیرت النبی ﷺ کے بنیادی خدوخال میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ" (الاعراف29)

(اے حبیب مکرم ﷺ آپ فرمادیں کہ میرا رب انصاف کا حکم دیتا ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے بھی عدالت کی اہمیت کا مد نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فان اعدلوا فلها انفسهم وان ظلموا فعليها"[19]

(اگر انھوں نے عدل وانصاف کیا تو اس کا اجر انہیں ملے گا اگر ظلم کیا تو اس کا وبال اٹھائیں گے۔)

اسی طرح نبی کریم ﷺ فرمایا:

"يعدل بين الناس صدقة"[20]

(لوگوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے۔)

3۔ ادارے میں بھائی چارے کا ماحول

منتظمین کے مابین بھائی چارہ پیدا کرنے کے لیے محبت، اخلاص، وحدت اور خیر خواہی جیسی صفات لازمی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے اس صفت کو بطور نعمت ذکر فرمایا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا"

(آلِ عمران:۱۰۳)

(اس کے اس احسان کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا ہے جب کہ تم آپس میں ایک دُوسرے کے سخت دُشمن تھے، پھر اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی، تم اُس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں کے آپس کے تعلقات اور اُخوت و محبت کو ایک جسم کے مختلف اعضاء سے تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مثل المؤمنين في توادهم و تراحمهم و تعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى"[21]

(ایمان والوں کی آپس کی محبت، رحم دلی اور شفقت کی مثال ایک انسانی جسم جیسی ہے کہ اگر جسم کا کوئی حصہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو (وہ تکلیف صرف اُسی حصہ میں منحصر نہیں رہتی، بلکہ اُس سے) پورا جسم متاثر ہوتا ہے، پورا جسم جاگتا ہے اور بخار و بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔)

منتظمین کے درمیان بھائی چارہ کو مضبوط کرنے کے لیے ایک اہم وسیلہ آپس میں محبت کے ساتھ ملنا ملانا اور ایک دُوسرے کو دُعاء و سلام دینا بھی ہے، جس سے دل صاف ہوتے ہیں اور محبت بڑھ کر اُخوتِ اسلامی میں قوت کا ذریعہ بنتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لن تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا ولن تؤمنوا حتی تحابوا أوَ لا أدلکم علی شئی لو فعلتموہ تحاببتم ، أفشوا السلامَ بینکم "(22)

(تم ہر گز جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ۔ اور اُس وقت تک تم ایمان والے نہیں بن سکتے، جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اُسے بجالاؤ تو آپس میں محبت کرنے لگو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپس میں کثرت سے سلام پھیلاؤ۔)

4۔احساس ذمہ داری

منتظم ہونا کوئی پیشہ نہیں بلکہ ایک بنیادی ذمہ داری ہے جو اس شخص کو عطا کی جاتی ہے جس میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لہذا رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی کو منتظم مقرر کیا تو اس کو اس بات کی تاکید کی کہ ہمیشہ اپنے ماتحت افراد اور رعایا کے ساتھ بھلائی خیر خواہی کا معاملہ کرے جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللھم من ولی من امر امتی شیا فشق علیھم فاشقق علیه ومن ولی امر امتی شئا فرفق بھم فارفق به"(23)

(اے اللہ جس شخص کو میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کا منتظم بنایا جائے وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو بھی ان کو مشقت میں ڈال اور جو ان کے ساتھ نرمی کرے تو بھی ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔)

اسی طرح حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کان رسول الله ﷺ اذا امیرا علی جیش ،او سریة اوصاہ فی خاصة بتقوی الله ومن معه من المسلمین خیرا"(24)

(رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا چند لوگوں کا امیر بناتے تھے تو اس کو اپنی ذات کے لئے تو اللہ سے تقویٰ کی وصیت فرماتے تھے اور اس کے ساتھ ماتحت جو مسلمان ہے ان کے لئے خیر کی وصیت فرماتے تھے۔)

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ منتظم کو چاہیے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرے تا کہ لوگوں کے حقوق اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور اپنے ماتحت لوگوں اور عوام ورعایا کے ساتھ خیر خواہی اور نرمی والا معاملہ کرے۔ جس میں ان کو خیر کی باتوں کی دعوت، بری چیزوں کی ممانعت اور ان سے متعلقہ تمام حقوق کی رعایت اور ادائیگی داخل ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ہمیں عوامی خیر خواہی کی واضح تعلیمات ملتی ہیں۔ امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

"سمعت النبی ﷺ یقول :من ولی من امر المسلمین شیئا فلم یحطھم بنصحیة کما یحط اھل بیته فلیتوا مقعدہ من النار"(25)

(میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کا کام کا حاکم بنے پھر وہ ان کی خیر خواہی کے

ساتھ اس کی رعایت نہ کرے، جس طرح وہ اپنے گھر والوں کی رعایت کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔)

اس حدیث میں خیر خواہی کے لئے نصیحت کا لفظ استعمال ہوا ہے اور نصیحت کا لفظ بڑا جامع ہے جس میں عوام کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا اختیار کرنا، ان کے حقوق ادا کرنا، اور جس شخص کسی خاص شعبہ اور ادارہ کا ذمہ دار بنا مثلاً خوراک، تجارت، زراعت، صحت، بجلی، پانی، گیس، پیٹرول وغیرہ تو اس کے ذمہ اس شعبہ وادارہ کے ساتھ عوام کے وابستہ ومتعلقہ حقوق میں خیر خواہی ضروری ہے۔

5۔ اہلیت

کسی بھی ادارہ کی نظم ونسق میں منتظم کی طرف سے اقرباء پروری کی جاسکتی ہے یعنی رشتہ داروں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کردینا اور اس بات کی طرف توجہ نہ دینا کہ آیا وہ اس کام کا اہل بھی ہے کہ نہیں یا محض وہ رشتہ داری کی بنیاد پر بھاری ذمہ داری تفویض کردی جاتی ہیں اور مراعات سے نواز دیا جاتا ہے عہدہ کی تقسیم کے معاملے میں اقرباپروری سے اجتناب کرے اور عہدہ اسی شخص کو ہی سپرد کیا جائے جو اس کا اہل ہو۔

حضرت عمر کے صاحبزادے ایک بار مصر گئے تو وہاں کے گورنر عمرو بن العاص کو خط لکھا کہ خبردار میرے خاندان کا کوئی آدمی اگر تمھارے پاس آئے تو نہ اسے تحفہ دینا نہ اسے سوغات دینا اور نہ اس کے ساتھ خصوصی اور امتیازی برتاو رکھنا۔[26]

باصلاحیت افراد کو تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ جیسے ہی کوئی باصلاحیت آدمی نچلے عہدے پر کام کرتا نظر آئے تو اسے آگے بڑھانا چاہیے، اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے اور ترقی کا موقع دینا چاہیے۔

"فعن أبي محذورة قال: لما رجع النبي – صلى الله عليه وسلم – من حنين خرجت عاشر عشرة من مكة نطلبهم، فسمعتهم يؤذنون للصلاة، فقمنا نؤذن نستهزئ، فقال النبيُّ – صلى الله عليه وسلم –: لقد سمعت في هؤلاء تأذين إنسان حسن الصوت. فأرسل إلينا، فأذنَّا رجلاً رجلاً، فكنت آخرهم، فقال حين أذنت: تعال. فأجلسني بين يديه، فخلع عمامتي ومسح على ناصيتي ثم قال: اللهم بارك فيه، وأهده إلى الإسلام، فبارك عليَّ ثلاث مرات، ثم قال: اذهب فأذن عند البيت الحرام"[27]

(حضرت ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہم 10 لڑکے بھی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ حنین گئے۔ جب اذان ہوئی تو ہم مذاق اڑانے کے لیے اذان دینے لگے۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: ان لڑکوں کو میرے پاس لاؤ۔ پھر ہمیں کہا کہ اذان دے کر دکھاؤ۔ سب نے اذان دی، میں سب سے آخر میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے سن کر

فرمایا: یہی وہ لڑکا ہے جس کی اذان میں نے سنی تھی۔تم جاؤ اور مکہ میں اذان دو۔وہاں موجود حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے حکم دیا ہے کہ مکہ میں اذان دیا کروں۔)

اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اچھی آواز کو نہ صرف پہچان لیا بلکہ انہیں انتہائی اہم جگہ مکہ مکرمہ میں اذان دینے کے لیے متعین بھی کر دیا۔موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں دنیا کے مشہور ادارے جیسے مائیکروسافٹ، گوگل اور دیگر ملٹی نیشنل کمپنیاں جن اصولوں کی بنیاد پر دنیا پر راج کر رہی ہیں وہ اصول اور ضابطے اسلام نے ساڑھے چودہ سو قبل دنیا کو عطا کیے ہیں۔ آج کی دنیا اسے "talent hunt" اور "brain gain" کہتی ہے مگر نبی اکرم ﷺ نے سالہا سال پہلے عملی طور پر یہ سب کرکے دکھا دیا۔ادارہ اگر اپنے آپ کو بہتر بنانا چاہتا ہے اور ترقی کرنا چاہتا ہے تو رشتہ داری اور خوشامد کے بجائے صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر فیصلے کیے جائیں اس سے جہاں ادارہ ترقی کرے گا، وہیں زیادہ سے زیادہ باصلاحیت لوگ ادارے کا حصہ بننے میں فخر محسوس کریں گے۔

6۔ملازمین کے ساتھ حسن سلوک

ملازمین کی عمر، تجربہ اور صلاحیت کا خیال رکھیں۔بڑوں کو ادب اور احترام دینا چاہیے اگرچہ وہ معمولی کام ہی سرانجام دے رہے ہوں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا"[28]

(جو شخص اپنے سے بڑے کا احترام نہیں کرتا اور چھوٹے پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔)

"عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ : عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم التَّشَهُّدَ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ"[29]

(ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشہد سکھایا تو میرا ایک ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کسی بھی شخص کے لیے اپنے بڑے، افسر، مالک، استاد یا باس کی توجہ بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ماتحتوں اور ملازموں کے لیے ایسے واقعات زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں۔اس لیے خود کو ملازمین سے جدا رکھنے کے بجائے، ان سے اپنائیت، نرمی اور محبت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

7۔ملازمین کی حوصلہ افزائی کرنا

اگر کوئی ملازم اچھا کام کرے تو اس پر بھرپور خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔اس سے ملازم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ بھرپور دل جمعی سے کام کرتا ہے۔حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي"(30)

(کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پہلو تہی نہیں کی۔ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے تو آپ کے چہرہ انور پر مسکراہٹ بکھر جاتی۔)

8۔ ملازمین پر بے جا سختی سے اجتناب

اپنے ملازمین کے ساتھ وہی سلوک رکھنا چاہیے جو آپ اپنے ساتھ چاہتے ہیں۔ بلا وجہ سختی کرنا اور ملازمین کو ہر وقت دباؤ کا شکار کرنا ادارے کے لیے بھی اچھا نہیں اور ملازم کے لیے بھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خدمتُ رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّم عشرَ سنينَ، فما قال لي أُفٍّ قطُّ، وما قال لي لشيءٍ صنعتُه: لِمَ صنعتَه، ولا لشيءٍ تركتُه: لِمَ تركتَه"(31)

(میں نے 10 سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "اُف" تک کا لفظ بھی نہیں کہا۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کوئی کام کیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ہو، ایسا کیوں کیا؟ نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو، یہ کام کیوں نہیں کیا؟)

9۔ ملازمین کی معاشی کفالت

معاشرے میں اجتماعی حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ملازمین کے انفرادی حقوق کے تحفظ کی بھی بے حد اہمیت ہے۔ کسی بھی ادارے کے ملازمین کی محنت و لگن کی بدولت ادارہ ترقی کی منازل طے کرتا ہے اس کے لیے ان کی معاشی ضروریات کا خیال رکھنا منتظم کے لیے ضروری ہوتا ہے حضور ﷺ نے ملازمین کو ان کی اجرت دینے کہ بارے میں بہت زیادہ تاکید کی جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"عن عبد الله بن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطوا الأجير اجره قبل ان يجف عرقه"(32)

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مزدور کو اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی ادارے کے ملازمین کی معاشی ضروریات کی کفالت کرنا اور ان کو معاشی طور پر آسودہ حال رکھنا بھی ضروری ہے اس سے ملازمین مکمل یکسوئی اور لگن کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام

انتظامیہ دراصل عوام الناس کی بہتری کے لئے کی جانے والی کوششوں کا نام ہے، جس میں نظم ونسق بھی ہوتا ہے اور فلاح عامہ کا تصور بھی موجود ہوتا ہے۔ نظم ونسق میں انتظامیہ کا تصور ہر دور میں ملتا ہے اور انتظامیہ کا دائرہ کار بھی مختلف ہوتا ہے۔انتظامیہ کسی بھی ادارے کے نظم نسق کو ہی چلانے کے لئے وجود میں آتی ہے۔نبی کریم ﷺ نے جس طرح افراد کی تربیت فرمائی اس میں منتظمین کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ امن وآشتی، محبت واخوت اور باہمی خیر خواہی کو اپنائے، تاکہ معاشرے میں پیدا ہونے والی بدامنی،لوٹ مار خود غرضی جیسے جذبات کو روکا جاسکے۔اس کے علاوہ ریاستی سطح پر منتظمین کے لئے ضرور قرار دیا کہ مراعات کو چھوڑ کر سادگی اپنائے اور ان مراعات کو غریب ونادراافراد پر خرچ کریں جو روزمرہ کی زندگی گزارنے سے بھی عاجز آچکے ہیں۔قوموں کی تباہی وبربادی کا ایک سبب عدم مساوات ہے جس میں امیر وغریب میں تفریق کی جاتی ہے۔نبی کریم ﷺ نے اس تفریق کو ختم کی سختی سے تاکید فرمائی۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ کیرانوی، وحید الزمان القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۱، ص ۸۸

2۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، کراچی، فیروز سنز، ۱۹۹۹،، ص ۱۲۵

3. Pro Kalimuddin Ahmed English Urdu Dictionary ,Ministry of Human Resources Development Government of India 1993 v1 p 71

4۔ علی متقی علاوالدین بن حسام الدین، کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۸ ج ۵، ص ۴۳۲

5۔ ابو داوٗد، سلیمان بن اشعث، السجستانی، سنن ابی داود، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸، ج ۳ حدیث نمبر: ۲۹۳۹

6۔ نیازی، لیاقت علی خان، ڈاکٹر، اسلام کا انتظامی قانون، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۲۰۰۱، ص ۱۷۰

7۔ الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، سنن الترمذی، بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، ۱۹۹۹، ج ۱، ص ۱۰۷

8۔ ابن اثیر، محمد بن عبد الکریم الجزری، جامع الاصول فی احادیث الرسول، بیروت لبنان، دار الکتب العلمیہ، ج ۴، ص ۵۶

9۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۹، ج ۲، ص ۱۱۳، حدیث نمبر: ۱۷۸۷

10۔ ابو داؤد، سنن ابی داود، ج۳، ص۲۱۵، حدیث نمبر: ۲۹۳۳

11۔ دہلوی، سعید الرحمن، مولانا، تفسیر کشف الرحمن، کراچی، مکتبہ رشیدیہ، ۲۰۰۹، ج ۲، ص ۲۲۴

12۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، جامع الصحیح البخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۹، ج۳، ص ۱۳۴

13۔ قرطبی، محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح انصاری، الجامع لاحکام القرآن، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۹۹۸، ج۴، ص ۱۶۱

14۔ القضاعی، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ، مسند الشہاب، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵، ج۱، ص ۳۳۷

15۔ القشیری، مسلم بن مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۹، بیروت، ج۱، ص۱۶، حدیث نمبر: ۲۸۲

16۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، محدث، ازالۃ الخفاء، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۲۰۰۰، ج۳، ص ۲۱۴

17۔ مفتاحی، ظفیر الدین، اسلام کا نظام امن، انڈیا، اعظم گڑھ، ص ۱۰۳

18۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج۲، ص۲۲۱، حدیث نمبر: ۳۷۴۵

19۔ ابو داؤد، سنن ابی داود، ج۲، ص ۲۱۴، حدیث نمبر: ۱۵۸۸

20۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج۲، ص۲۲۱، حدیث نمبر: ۲۷۰۷

21۔ ایضاً، ج:۲، ص:۸۸۸، حدیث نمبر: ۶۰۳۶

22۔ القشیری، الجامع الصحیح، ج:۱، ص ۵۴

23۔ ایضاً، ج۵، ص ۱۲۲، حدیث نمبر: ۴۷۲۲

24۔ ایضاً، ج۵، ص۳۳۱، حدیث نمبر: ۱۷۳۱

25۔ طبرانی، سیلمان بن احمد، المعجم الکبیر، بیروت لبنان، دار احیاء تراث العربی، ۱۹۹۸، ج۲۰، ص ۲۲۱

26۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ، دار المعارف، ۲۰۰۴، ج۴، ص ۲۴۹

27۔ الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، بیروت، دار الرسالۃ، ۲۰۰۹، رقم: ۱۷۷۹

28۔ شیبانی، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، ریاض، المسند، دار طیبہ، ۲۰۰۹، ج۲، ص ۲۱۲، رقم: ۲۲۴۳

29۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج۲، ص۲۲۱، الرقم: ۶۲۶۵

30۔ ایضاً، حدیث نمبر: ۳۰۳۵

31۔ ایضاً، حدیث نمبر: ۶۹۱۱

32۔ القزوینی؛ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، بیروت، دار إحیاء الکتب العربیۃ، ۲۰۰۹، حدیث نمبر: ۲۴۴۳